اِدارہ معارفِ نعمانیہ لاہور

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں
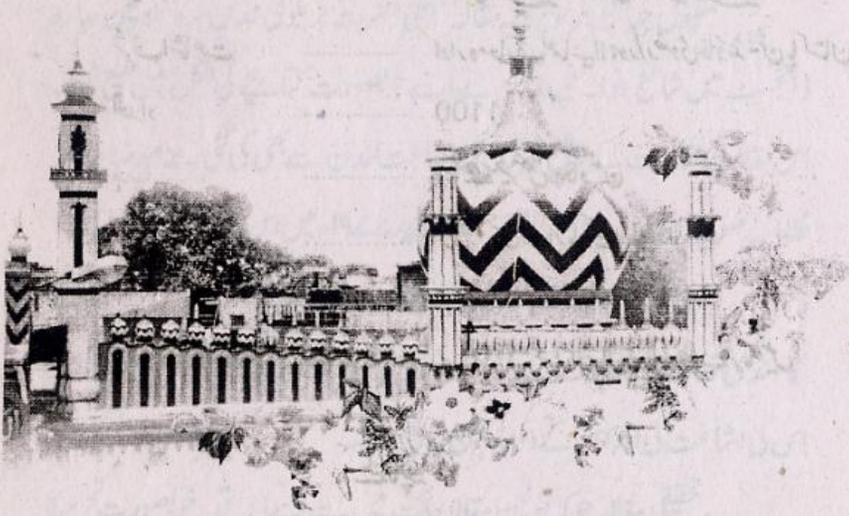
مقبول جہانگیر

ادارہ معارفِ نعمانیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیضانِ کرم

شیخ الاسلام والمسلمین حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ

سلسلہ اشاعت نمبر 132

نام کتاب	....	اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ
مصنف	....	مقبول جہانگیر
سنِ اشاعت	....	جولائی 2005 / جمادی الاوّل ۱۴۲۶ھ
شرفِ اشاعت	....	ادارہ معارفِ نعمانیہ لاہور/ رضوی فاؤنڈیشن پاکستان
تعداد	....	1100
ہدیہ	....	دعائے خیر بحق معاونین
سرورق	....	فیضی گرافکس دربار مارکیٹ لاہور

نوٹ

بیرون جات کے شائقینِ مطالعہ 15 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرما کر طلب فرمائیں

ملنے کا پتہ

ادارہ معارفِ نعمانیہ لاہور

زیرِ انتظام:۔ رضوی فاؤنڈیشن پاکستان

323۔ مرکزی جامع مسجد حنفیہ غوثیہ۔ شادباغ لاہور

ای میل ایڈریس rizvifoundation@hotmail.co

کچھ کتاب اور مصنف کے بارے میں

جناب مقبول جہانگیر مرحوم (پ ۱۹۳۸ء..... المتوفی ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

ملک کے جانے پہچانے صحافی، ادیب، کالم نویس اور مدیر سیارہ ڈائجسٹ تھے، آپ ایک عرصہ تک روز نامہ ''امروز'' لاہور میں لکھتے رہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کے مقالے گہری تحقیق و جستجو کے مظہر ہوا کرتے تھے۔ آپ کئی ایک کتب کے مصنف تھے۔ جن میں ''یاران نجد'' بہت مشہور تصنیف ہے۔

مقبول جہانگیر مرحوم کا یہ مقالہ ''اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ'' اولین سیارہ ڈائجسٹ میں شائع ہوا۔ فیروز سنز نے اسے خوبصورت کتابچے کی شکل میں طبع کیا۔ اس مقالہ کی افادیت کے پیش نظر اس کی اشاعت لندن سے بھی کی گئی۔ بزم رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں اس مقالہ کو شائع کیا۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر اس مقالے کا سندھی ترجمہ راقم الحروف نے کیا اور مرکزی مجلس رضا لاہور نے ۸ جون ۱۹۷۸ء کو اس کی اشاعت کی اور اس کے دو ایڈیشن شائع کئے۔

یہ تحقیقی مقالہ جو کہ اولین مقالا جات میں سے ہے اس قدر خوبصورت تحریر کا حامل ہے کہ اس کی اشاعت کی ضرورت بار دگر بھی محسوس کی جارہی ہے عام فہم ہونے کی وجہ سے ہمارے پڑھے لکھے قاری کے لئے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عظیم شخصیت کو سمجھنے میں معاون ومددگار رہے گا۔

جن کتب کی مدد سے اس مقالہ کو منصہ شہود پر لایا گیا ہے ان کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تیاری میں اولین تحریک دلانے والے بلکہ مقبول جہانگیر صاحب کو اس طرف مائل کرنے اور متعلقہ کتب مہیا کرنے والے مخدوم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ ہی تھے۔

اس بار اس رسالہ کی اشاعت کا اہتمام ادارہ معارف نعمانیہ لاہور نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں جناب غلام اویس قرنی قادری رضوی صاحب صد ستائش کے مستحق ہیں جن کی کاوش سے یہ خوبصورت تحریر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل اس کاوش کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے اور پڑھنے والوں کے لئے نافع فرمائے۔ (آمین)

احقر العباد

ابوالرضا گلزار حسین قادری رضوی

یکم محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پرانے شہر بریلی کے ایک محلے میں صبح ہی سے ہر طرف چہل پہل تھی دلوں کی سر زمین پر عشق رسالت کا کیف اور سرور کالی گھٹاؤں کی طرح برس رہا تھا۔ بام ودر کی آرائش، گلی کوچوں کا نکھار رہ گزاروں کی صفائی اور دور دور تک رنگین جھنڈیوں کی بہار ہر گزرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ بالآخر چلتے چلتے ایک راہ گیر نے دریافت کیا:

''آج یہاں کیا ہونے والا ہے؟''

کسی نے جواب دیا: ''دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد، اہل سنت کے امام، عشق رسالت کے گنج گراں مایہ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آج یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ انہی کے خیر مقدم میں یہ سارا اہتمام ہو رہا ہے۔''

''کہاں سے تشریف لائیں گے''؟

''اسی شہر کے محلہ سوداگران سے''...... جواب سن کر راہ گیر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ دیر تک کھڑا سوچتا رہا کہ آنے والا اسی شہر سے آ رہا ہے۔ وہ آنا چاہے تو ہر صبح و شام آ سکتا ہے۔ مسافت بھی کچھ اتنی طویل نہیں کہ وہاں سے آنے والے کو خاص اہمیت دی جائے اور اس کے خیر مقدم کا شاندار اہتمام کیا جائے۔ آخر لوگوں کے سامنے اپنے دل کی خلش کا اظہار کئے بغیر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک بوڑھے آدمی نے ناصحانہ انداز میں جواب دیا۔

''بھائی پہلے تم یہ سمجھ لو کہ آنے والا کس حیثیت کا ہے۔ اس کی ہستی کس شان کی ہے اعزاز و اکرام کی بنیاد مسافت کے قرب و بعد پر نہیں شخصیت کی جلالت اور فضل و کمال کی برتری پر ہے۔.......... آنے والے مہمان کی زندگی یہ ہے کہ وہ اپنے دولت کدے سے نکل کر یا تو فرائض بندگی کے لئے خانہ خدا میں جاتا ہے یا پھر جذبہ عشق کی تپش بڑھ جاتی ہے تو دیار حبیب ﷺ کا سفر کرتا ہے اس کے علاوہ اس کے شام و سحر اور شب و روز کا ایک ایک لمحہ

ینی مہمات میں اس درجہ مصروف ہے کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی اسے مہلت نہیں ملتی۔ اس کے حریم دل پر ہر وقت عشق بے نیاز کا پہرا ہے۔ ہزار انداز دلربائی پر بھی آج تک خیال غیر کو اجازت نہیں مل سکی۔ اس کی نوک قلم سے نکلی ہوئی روشنائی کا ایک ایک قطرہ فکر و اعتقاد کی جنتوں میں کوثر و تسنیم بن کر بہہ رہا ہے۔ اس کے خون جگر کی سرخی سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھے ہیں۔ اس کے عرفان و آگہی کی داستانیں چمن چمن پہنچ گئی ہیں اور لوح و قرطاس سے گزر کر اب اس کے علم و دانش کا چراغ کشوروں کے شبستانوں میں جل رہا ہے عشق و ایمان کی روح اس کے وجود میں رگ رگ میں اس طرح رچ بس گئی کہ اپنے محبوب کی شوکت جمال کے لئے ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ اس کے جگر کی آگ کبھی نہیں بجھتی اس کے دل کا دھواں کبھی بند نہیں ہوتا نقش و نگار جاناں کے لئے اس کے قلم کی روشنائی کبھی نہیں سوکھتی پلکوں کا قطرہ ڈھلکنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ آنسوؤں کا نیا طوفان امڈنے لگتا ہے۔

وہ اپنے محبوب کے وفاداروں پر اس درجہ مہربان کہ قدموں کے نیچے دل کا فرش بچھا کر بھی اہتمام شوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ جہاں وہ اہل ایمان کے لئے لالہ کے جگر کی ٹھنڈک ہے وہیں اہل کفر و بغاوت کے حق میں غیظ و غضب کا ایک دہکتا ہوا انگارہ اپنے محبوب کے گستاخوں پر جب وہ قلم کی تلوار اٹھاتا ہے تو انگلیوں کی ایک ایک جنبش پر تڑپتی ہوئی لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ باطل کے جگر میں اس کے نشتر کا ڈالا ہوا شگاف زندگی کی آخری ہچکیوں تک مندمل نہیں ہوتا...... سن لو کہ وہ اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر سکتا ہے، لیکن محبوب کی حرمت سے کھیلنے والوں کے لئے اس کے ہاں صلح و درگزر کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوستی کا پیمان تو بڑی چیز ہے وہ تو ان دشنام طرازوں سے ہنس کر بات کرنا بھی ناموس عشق کی توہین سمجھتا ہے۔ بارگاہ رب العزت اور شان رسالت میں اس کا ذوق احترام و ادب اس درجہ لطیف ہے کہ متکلم کے قصد و نیت سے قطع نظر وہ الفاظ کی نوک پلک پر بھی شرعی

تعزیرات کا پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ اس کے فکر و نظر کی اصابت، علم و فن کی انفرادیت، شریعت و تقوی کا التزام مجد و شرف کی برتری، تجدید و ارشاد کا منصب امامت اور دین و سنت کے فروغ کے لئے اس کے دل کا اخلاص عرب و عجم نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا سخن ور بھی ہے لیکن آج تک کبھی اس کی زبان اہل دنیا کی منقبت سے آلودہ نہ ہوئی۔ وہ بھری کائنات میں صرف اپنے محبوب مجتبیٰ ﷺ کی مدح سرائی سے شاد کام رہتا ہے۔ اپنے کریم کے در کی گدائی پر دونوں جہاں کا اعزاز نثار کر چکا ہے۔ دنیا کے ارباب ریاست صرف اس آرزو میں بار بار اس کی چوکھٹ تک آئے کہ اپنے حضور میں صرف باریاب ہونے کی اجازت دے دے، لیکن زمانہ شاہد ہے کہ ہر بار انہیں شکستہ خاطر لوٹنا پڑا۔‘‘

بوڑھے نے جذباتی انداز میں اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا: اب تمہی بتاؤ کہ اپنے وقت کی اس عظیم و برتر شخصیت جس کی دینی و علمی شوکتوں کا پرچم عرب و عجم میں لہرا رہا ہے اور جسے عشق مصطفی ﷺ کی وارفتگی نے دونوں جہاں سے چھین لیا ہے آج اگر وہ یہاں قدم رنجہ فرمانے کے لئے مائل کرم ہے تو کیا یہ ہماری قسمتوں کی معراج نہیں؟ اگر ہم اس کے خیر مقدم کے لئے اپنے دلوں کا فرش بچھا رہے ہیں تو اپنے جذبہ شوق کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ خوشگوار اور جنوں انگیز موسم اور کیا ہو سکتا ہے؟‘‘

امام اہل سنت کی سواری کے لئے پالکی مکان کے دروازے کے سامنے لگا دی گئی ہے۔ سینکڑوں مشتاقان دید انتظار میں کھڑے ہیں۔ حضرت نے وضو کیا، پھر کپڑے زیب تن فرمائے، عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرہ انور سے فضل و تقوی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ شب بیدار آنکھوں میں تقدس و پاکیزگی کی سرخی ہے۔ طلعت جمال کی دل کشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بیخودی کا عالم طاری ہے۔ گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمع فروزاں مسکرا رہی ہے۔ یا عندلیبان شوق کی انجمن میں گل رعنا کھلا ہوا ہے۔

بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا ہے پابوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں نیازمندوں کی بھیڑ چل رہی ہے۔ پالکی لے کر تھوڑی دور ہی چلے ہیں کہ یکا یک امام اہل سنت کی آواز سنائی دیتی ہے۔

پالکی روک دو۔''

حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی۔ ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔'' آپ لوگوں میں کوئی آل رسول ﷺ تو نہیں؟ اپنے جدّ اعلی کا واسطہ سچ بتایئے۔ میرے ایمان کا ذوق لطیف ''تن جاناں'' کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔''

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ بے نوائی آشفتہ حالی اور گردش ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی آواز سے کہا۔

''مزدور سے کام لیا جاتا ہے، ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جدّ اعلی کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔ سمجھ لیجئے کہ میں اسی چمن کا ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کی مشام جاں معطر ہے رگوں کا خون نہیں بدل سکتا۔ اس لئے آل رسول ہونے سے انکار نہیں لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے...... چند مہینے سے آپ کے اس شہر میں آیا ہوا ہوں کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے ذریعہ معاش بناؤں پالکی اٹھانے والے ان کہاروں سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے گروہ میں آن کر بیٹھ جاتا اور شام کو اپنے حصے کی مزدوری لے کر بال بچوں میں لوٹ جاتا ہوں۔''

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو۔ لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے ہائے! غضب ہو گیا جن کے کفش پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار ﷺ نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دوش نازنین اس لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے، تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہو گی: آہ اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔''

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے۔ اسی انداز میں وقت کا یہ عظیم المرتبت امام اس سید زادے مزدور کی منت سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہل سنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی۔

''چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے اس لئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفارہ جبھی ہو گا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔''

اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل ہل گئے ہیں۔ وفور اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو عشق جنون خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دل گداز ہے۔ اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم وفضل جبہ و دستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب ﷺ کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہے ہیں۔ شوکت عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھر دل بھی پگھل گئے ہیں۔ کدورتوں کا غبار چھٹ رہا ہے۔ غفلتوں کی آنکھ کھل گئی ہے اور دشمنوں کو بھی مان لینا پڑا ہے کہ آل رسول ﷺ کے ساتھ احمد رضا خاں بریلوی کے دل کی عقیدت واخلاص کا جب یہ عالم ہے تو رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ وارفتگی ومحبت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔

ہے ان کا عطر بوئے گریباں سے مست گل
گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

اعلی حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے کردار واخلاق کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس نوع کے بے شمار واقعات آپ کی سیرت میں ملتے ہیں انیسویں صدی عیسوی نے یوں تو برصغیر پاک وہند میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے ان میں ہر مکتب فکر اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ مگر جیسی جامعیت اور جیسی انفرادیت مولانا احمد رضا خاں کے حصے میں آئی۔ وہ اپنی جگہ بے مثال و بے نظیر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ماہ وسال کی گردشوں نے مولانا کی عظیم شخصیت پر غفلت کے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔ لیکن جب ہم پردے ہٹا کر ان کے ظاہر وباطن کا جائزہ لیتے ہیں تو ان جیسے آدمی اخلاف جدید میں تو کیا اسلاف قدیم میں بھی دور دور تک نظر نہیں آتے مولانا اتنی جامع حیثیات شخصیت تھے اور اتنے علوم و فنون میں کامل تھے کہ ان کے ذکر ہی سے عقل حیرت میں آتی ہے۔ اور وجدان وجد کرنے لگتا ہے۔ یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے شاید ان کے مرتبے سے فروتر بات ہوگی مگر اس کے سوا اور کہا بھی کیا جائے کہ وہ عقل وعشق دونوں میں اس مقام رفیع پر رونق افروز

ہیں جہاں نمودار ہوتے ہوئے خیال کے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔

مفسر، محدث، فقیہہ، اصولی متکلم، مفتی، حافظ، قاری، شاعر، مصنف، ادیب، علوم، عقلی ونقلی کا فاضل متبحر اپنے عہد کا بہت بڑا شیخ طریقت اور مجدد شریعت اور ان سب خصوصیتوں سے بالاتر ایک نرالا انوکھا عاشق رسول ﷺ

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں؟

اعلی حضرت مولانا احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خان کی ولادت روہیل کھنڈ کے مشہور شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی سال ولادت ۱۲۷۲ ہجری ماہ شوال تاریخ دس بوقت ظہر روز چہار شنبہ۔ انگریزی تقویم کے مطابق ۱۸۵۶ عیسوی ماہ جون تاریخ ۱۴ بقول ایک صاحب دل ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے ایک سال قبل پیدا ہونے والا یہ بچہ اپنے فکری ونظری انقلاب کے بے باک نقیب ہونے پر دلالت کر رہا تھا۔

آپ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں ان دنوں حیات تھے۔ پوتے کے پیدا ہونے کی خبر ان کے کانوں تک پہنچی تو خوش ہوئے۔ اعلی حضرت کے بھانجے علی محمد خاں صاحب کی روایت ہے کہ میری والدہ مرحومہ اعلی حضرت کی بڑی بہن تھیں ان کا ارشاد ہے۔ جب احمد رضا پیدا ہوئے تو والد مرحوم ان کو حضرت دادا جان قدس سرہ العزیز کی خدمت میں لے گئے۔ دادا نے گود میں لیا اور معاً لسان غیب سے فرمایا: میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔ اعلی حضرت کی یہی بڑی بہن فرمایا کرتی تھیں کہ بچپن ہی سے تمام خاندان میں یہ بچہ اپنے مزاج اطوار اور ذہانت کے اعتبار سے الگ نظر آتا ایک روز کسی نے دروازے پر صدا دی احمد رضا کی عمر ان دنوں نو دس برس تھی باہر گئے۔ دیکھا ایک بزرگ فقیر کھڑے ہیں انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا۔ ادھر آؤ بیٹا یہ کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "تم بہت بڑے عالم ہو۔"

مولوی عرفان علی صاحب قادری جو اعلیٰ حضرت کے مرید تھے۔ بیان کرتے ہیں
کبھی کبھی اعلیٰ حضرت اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے تھے ایک روز ارشاد فرمایا میری عمر
تین ساڑھے تین برس کی ہوگی اور میں اپنے محلے کی مسجد کے سامنے کھڑا تھا کہ ایک صاحب
اہل عرب کے لباس میں جلوہ فرما ہوئے انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی میں
نے بھی فصیح عربی میں ان کی باتوں کا جواب دیا۔ اس کے بعد اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ
دیکھا اسی ذکر میں اعلیٰ حضرت نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ میری عمر دس گیارہ برس کی ہوگی
اور میں ایک دن حکیم وزیر علی صاحب کے ہاں جا رہا تھا۔ کوئی دس بجے کا وقت تھا سامنے
سے یکا یک ایک بزرگ سفید ریش، نہایت شکیل وجیہہ تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے
لگے۔

''سنتا ہے بچے آج کل عبدالعزیز ہے.....اس کے بعد عبدالحمید.....اس کے
بعد عبدالرشید'' یہ کہہ کر فورا نظر سے غائب ہوگئے۔

آپ کی عمر پانچ چھ برس کی ہوگی کہ مکان پر ایک مولانا بچوں کو قرآن شریف
پڑھانے کے لئے تشریف لانے لگے۔ احمد رضا بھی ان سے کلام اللہ پڑھنے لگے ایک روز
ایسا ہوا کہ مولانا کسی آیہ کریمہ میں بار بار ایک لفظ کا تلفظ ننھے احمد رضا کو بتاتے مگر آپ کی
زبان سے وہ تلفظ ادا نہ ہو رہا تھا۔ مولانا زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھتے۔ یہ کیفیت آپ کے
جدامجد مولانا رضا علی خاں بھی دیکھ رہے تھے انہوں نے کلام پاک منگوا کر دیکھا تو اس میں
اسی لفظ کے اعراب کاتب نے غلط ڈال دیئے تھے۔ یعنی زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا گویا غیر
شعوری طور پر بچے کی زبان سے جو لفظ نکل رہا تھا وہی صحیح تھا۔ دادا نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا
''بیٹا: مولانا صاحب جس طرح بتا رہے تھے۔ تم اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے۔''؟ ننھے
احمد رضا نے جواب دیا'' حضرت میں ارادہ تو کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ

پاتا زبر کے بجائے ہر بار زیر ہی سے زبان کام کرتی۔''
اس طرح کے بہت سے حیرت انگیز واقعات درس وتدریس کے دوران میں پیش
آئے۔ ایک روز قرآن مجید پڑھانے والے مولانا نے تنہائی میں اپنے شاگرد احمد رضا خاں
سے کہا صاحبزادے سچ سچ بتا دو کسی سے کہوں گا نہیں۔ تم انسان ہو یا جن؟ یہ سن کر ہنس
پڑے اور فرمایا: خدا کا شکر ہے میں انسان ہی ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل حال
ہے۔''

ایک روز یہی مولانا حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے۔ کہ ایک بچے نے آن
کر سلام کیا مولانا نے جواب دیا'' جیتے رہو'' احمد رضا خاں نے عرض کیا:'' حضرت یہ تو سلام
کا جواب نہ ہوا۔'' وعلیکم السلام'' کہنا چاہیے تھا'' یہ سن کر مولانا بہت خوش ہوئے اور شاگرد کو
دعائیں دیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اعلیٰ حضرت ابھی کم سن ہیں روزہ رکھوایا گیا ہے۔
گرمی کا زمانہ۔ سہ پہر کے وقت کاشانہ اقدس میں روزہ کشائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایک
الگ کمرے میں افطار کے دوسرے سامان کے ساتھ فرنی کے پیالے بھی چنے ہوئے ہیں۔
آپ کے والد ماجد یکا یک آپ کو اسی کمرہ میں لے جاتے ہیں اور کواڑ بند کر کے ایک پیالہ
اٹھاتے ہیں اور بیٹے کی طرف بڑھا کر کہتے ہیں۔'' لو اسے کھالو'' بیٹا حیران ہو کر عرض
کرتا ہے:

''ابا حضور میرا تو روزہ ہے، کیسے کھاؤں''

ارشاد ہوتا ہے:'' میاں کھا بھی لو بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے میں نے کواڑ بند کر
دیئے ہیں کوئی دیکھنے والا نہیں جلدی سے کھالو'
یہ سن کر بیٹا ادب سے کہتا ہے'' ابا حضور! جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ

رہا ہے۔'' یہ سنتے ہی آپ کے والد ماجد کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا تار بندھ جاتا ہے۔ فرط محبت سے پیارے بیٹے کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔

والد نے آپ کا نام محمد اور جد امجد نے احمد رضا رکھا تاریخی نام ''المختار'' ہے جس سے ۱۲۷۲ ہجری برآمد ہوتا ہے اعلیٰ حضرت نے بہت برس بعد قرآن کی اس آیت سے اپنی پیدائش کا سن برآمد فرمایا۔

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے)

آپ کبھی کبھی بڑی دل سوزی سے فرماتے'' بحمد اللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوگا''

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد اور جد امجد دونوں اپنے اپنے عہد کے متبحر عالم ولی کامل عارف باللہ صاحب کشف وکرامات اور شیخ طریقت وشریعت تھے۔ آپ کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب بے شمار کتابوں کے مصنف حسب ونسب کے اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت خاندانی شرف ووقار اور وجاہت دینی ودنیوی کا امتیاز رکھتے تھے۔ آپ کے جد امجد اعلیٰ حضرت محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ قندھار کے مؤقر قبیلے بڑیچ کے پٹھان تھے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں نادر شاہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور ممتاز ومعزز عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ پھر لاہور سے دہلی چلے گئے۔ سعید اللہ خاں شش ہزاری منصب پر فائز تھے اور شجاعت جنگ کا خطاب رکھتے ان کے بیٹے سعادت یار خاں صاحب شاہ دہلی کی جانب سے ایک خاص مہم پر بریلی روہیل کھنڈ بھیجے گئے۔ فتح یابی پر انہیں بریلی کا صوبے دار بنانے کا فرمان دہلی سے آیا۔ لیکن ایسے وقت جب وہ بستر مرگ پر تھے۔ ان کے

تین بیٹے تھے۔ اعظم خاں معظم خاں اور مکرم خاں۔ یہ تینوں مناصب جلیلہ پر ممتاز۔

اعظم خاں صاحب نے بریلی میں مستقل رہائش اختیار کی اور دنیا سے منہ موڑ کر ایک گوشے میں جا بیٹھے محلہ معماراں بریلی میں شہزادے کا تکیہ آج بھی انہی کی نسبت سے معروف ہے۔ وہیں اعظم خاں صاحب کا مزار ہے۔ ان کے بیٹے حافظ محمد کاظم علی خاں ہر جمعرات کو اپنے والد کے سلام کے لئے حاضر ہوتے اور ہمیشہ گرانقدر رقم حاضر کرتے مگر آپ وہ رقم ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے۔ اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے۔ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں حافظ صاحب اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حسب معمول حاضر ہوئے دیکھا کہ شاہ محمد اعظم اس کڑاکے کے جاڑے میں ایک دھونی کے قریب تشریف فرما ہیں اور جسم پر کوئی سرمائی پوشاک نہیں۔ سعادت مند بیٹے نے فوراً اپنا بیش بہا دوشالہ اتار کر والد پر ڈال دیا۔ حضرت نے نہایت استغناء سے وہ دوشالہ آگ میں ڈال دیا۔ حافظ صاحب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کاش اس قیمتی دوشالے کو آگ میں ڈالنے کی بجائے کسی محتاج کو عطا فرما دیا جاتا۔ یہ وسوسہ دل میں آنا تھا کہ شاہ اعظم نے آگ کے بڑھکتے الاؤ میں سے دوشالہ نکال کر پھینک دیا اور فرمایا فقیر کے ہاں یہ دھکڑ پکڑ کا معاملہ نہیں۔ لے اپنا دوشالہ۔'' دیکھا تو اس میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا ویسا ہی صاف شفاف تھا۔

حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ دو سو سواروں کا دستہ ہر وقت خدمت میں رہتا آٹھ گاؤں جاگیر کے عطا ہوئے تھے۔ انہی حافظ صاحب کے صاحبزادے حضرت قدوۃ الواصلین زبدۃ الکاملین، قطب الوقت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے آپ کے حالات مولانا رحمٰن علی نے اپنی معروف تالیف ''تذکرہ علمائے ہند'' میں تفصیل سے رقم کئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا رضا علی فقر وتصوف میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ تقریر بہت پر تاثیر زہد وقناعت علم وتواضع اور تجرید وتفرید کی

تصویر تھے۔ ان کی بہت سی کرامتیں اور خرق عادات و واقعات عوام وخواص میں مشہور ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی پیدائش کے ساتویں روز جس دن عقیقہ ہوا آپ کے انہی جد امجد مولانا رضا علی خاں نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزند ارجمند فاضل و عارف ہوگا چنانچہ سب تاریخیں اور سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور چھ سال ہی کے تھے کہ ماہ ربیع الاول میں منبر پر بیٹھ کر بہت بڑے مجمع میں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر تقریر فرمائی آپ نے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں پھر تمام علوم اور فنون اپنے والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کئے۔ تیرہ برس کی عمر میں صرف ونحو ادب، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، اصول، معانی و بیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ ہیئت وغیرہ جمیع علوم دینیہ، عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ ہجری کو سند فراغت حاصل کی اور دستار فضیلت زیب سر فرمائی۔ اسی روز سب سے پہلا جو فتویٰ پیش ہوا وہ یہ تھا کہ اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا تو کیا حکم ہے؟ آپ نے بڑے محققانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا۔ حرمت رضاعت لائے گا۔

اعلیٰ حضرت کی بے مثل ذہانت اور بے نظیر حافظے کے کمالات اتنے ہیں کہ انہیں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ مولانا احسان حسین ابتدائی تعلیم میں اعلیٰ حضرت کے ہم سبق تھے۔ ان کی روایت ہے کہ شروع ہی سے ذہانت کا یہ حال تھا کہ استاد سے کبھی چوتھائی سے زیادہ کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ چوتھائی کتاب استاد سے پڑھنے کے بعد بقیہ تمام کتاب از خود پڑھ کر اور یاد کر کے سنا دیا کرتے۔ بعض لوگ نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے چنانچہ خیال ہوا کہ قرآن مجید حفظ کر لیا جائے لہذا صرف ایک ماہ میں پورا قرآن آسانی سے

حفظ فرما لیا۔ سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ روزانہ ایک پارہ حفظ کر لیتے مشکل سے مشکل فتاوی کا جواب شاگردوں اور احباب کو اس طرح قلم بند کرا دیتے کہ حیرت ہوتی۔ بے شمار کتابوں کے حوالے اس سلسلے میں دیئے اور سب زبانی فرماتے۔ الماری میں سے فلاں جلد نکال لو اتنے ورق الٹ لو فلاں صفحے پر اتنی سطروں کے بعد یہ مضمون ہوگا اسے نقل کر دو۔ غرض کہ ان کا حافظہ اور دماغی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے باہر تھیں۔

اعلیٰ حضرت کے ایک شاگرد جو فتاوی کی تحریر کے کام پر لگائے گئے تھے۔ ایک عجیب وغریب واقعہ حضرت کی ذہانت اور حافظے کا یوں بیان فرماتے ہیں میں نے حساب کی تعلیم سکول میں پائی تھی۔ لہٰذا مجھے حساب دانی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اعلیٰ حضرت حساب والے استفتاء حل کرنے کے لئے زیادہ تر میرے ہی سپرد فرماتے۔ ایک مرتبہ ورثے کی تقسیم کے سلسلے میں پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورث اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں وارث ہوں گے مجھے اس کے جواب میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل محنت کرنا پڑی۔ ایک ایک پیسے اور درجنوں وارثوں کا حق قلمبند کر دیا عصر کے بعد حسب معمول اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیٹھا تا کہ حساب کی مکمل تفصیل آپ سے عرض کر دوں اور آپ اصلاح کی ضرورت محسوس فرمائیں تو اصلاح کر دیں میں نے وہ استفتا پڑھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت سنتے سنتے اپنی انگلیوں کو بھی حرکت دے رہے ہیں۔ یہ استفتاء چونکہ پندرہ پشتوں کے درجنوں وارثوں کے حساب کتاب پر مبنی تھا اس لئے یہ فل سکیپ کے دو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا میں نے استفتاء یعنی صرف سوال ہی پڑھ کر ختم کیا اور ابھی جواب میں تحریر کئے ہوئے وارثوں کے حصے ظاہر نہ کیے تھے کہ اعلیٰ حضرت نے بلا توقف فرمانا شروع کیا آپ نے فلاں کو اتنا فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا دیا غرض درجنوں وارثوں کے نام اور ان کے حصے بتا دیئے۔ اب میں حیران و ششدر تھا کہ مجھے اپنے حساب دانی پر اتنا ناز، استفتاء کو

میں نے اپنے طور پر بیس دفعہ پڑھا ہر ایک نام بار بار پڑھ کر ان کے حصے نکالے، اس کے باوجود مجھ سے کوئی ان سب وارثوں کے نام پوچھے تو حصے کجا میں نام بھی شاید پورے نہ بتا سکوں جب تک لکھے ہوئے کو سامنے نہ رکھوں۔ اللہ اللہ یہ کیا متحیر کیسی وسعت ادراک اور کتنی عظیم خداداد صلاحیت تھی جو حق تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی بھی تحصیل فرمائی حیرت کی بات یہ کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم وفنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محققین اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ (جملہ مذاہب) اصول فقہ، جدل، تفسیر، عقائد، کلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، فلسفہ، تکسیر، ہئیت، ریاضی، ہندسہ، قراۃ، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تاریخ لغت، ادب ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، حساب سینی، لوگارثمات، توقیت، مناظر ومرایا، اکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئت جدیدہ، مربعات، جفر، زائرجہ۔ ان تمام علوم وفنون کے علاوہ علم الفرائض عروض وقوافی، نجوم اوفاق، فن تاریخ (اعداد) نظم ونثر فارسی، نظم ونثر ہندی، خط نسخ اور خط نستعلیق میں بھی کمال حاصل کیا۔ ان علوم کو دیکھیئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا تھے اور یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مد مقابل ہو۔

آپ نے عربی زبان میں قرآن کریم کی نہایت عظیم الشان تفسیر لکھی اس کے علاوہ بیضاوی، معالم، اتقاق درمنثور اور تفسیر خازن پر عربی میں بے نظیر حواشی تحریر فرمائے۔

حدیث واصول حدیث میں آپ نے ۴۵ کتابیں تالیف فرمائیں جن میں صحاح ستہ کی شروح شامل ہیں پھر ان کی معروف شروح یعنی عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور فتح الباری پر بھی حواشی لکھے۔ عقائد الکلام پر آپ کی تصانیف کی تعداد بائیس ہے۔ فقہ وتجوید پر آپ کی ستر تصانیف ہیں۔ تصوف واذکار اوقات وتعبیر کے علوم پر نو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تاریخ سیرت ومناقب میں گیارہ کتابیں لکھیں۔ ادب نحو لغت، عروض کے موضوع پر آپ نے چھ کتابیں قلم بند کیں۔ علم زیجات میں سات علم جعفر وتکسیر میں گیارہ، علم جبر ومقابلہ میں چار علم مثلث ارثما طیقی ہندسہ اور ریاضی میں اٹھائیس کتابیں تحریر فرمائیں۔ فلسفہ اور منطق میں چھ کتابیں لکھیں۔ ان میں ایک کتاب حرکت زمین کی تردید میں ہے اور دوسری کتاب سورج کے گھومنے اور گردش کے ثبوت میں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم نے یورپ میں تعلیم پائی تھی اور برصغیر کے بلند پایہ ریاضی دانوں میں آپ کا شمار تھا۔ اور فی الحقیقت اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے کسی مسئلے میں اشتباہ ہوا ہر چند کوشش کی۔ مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحب حیثیت آدمی تھے۔ اور علم کے شائق اس لئے قصد کیا کہ جرمنی جا کر یہ مسئلہ حل کریں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب اس زمانے میں یونیورسٹی کے شعبہ دینیات میں ناظم تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک روز گفتگو کے دوران میں ان سے اس مسئلے اور اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے مشورہ دیا آپ بریلی جایئے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں سے دریافت کیجئے وہ اسے ضرور حل کر دیں گے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین نے حیرت سے کہا مولانا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں کہاں کہاں سے تعلیم پا کر آیا ہوں۔ ریاضی کے ادق سے ادق مسائل حل کرنا جانتا ہوں جب میں یہ مسئلہ حل نہ کر سکا تو مولانا احمد رضا خاں جنہوں نے کبھی یورپ کا تصور تک نہیں کیا اور نہ ایسے مسئلے ریاضی کے

انہوں نے جدید یونیورسٹیوں میں سیکھے۔ ان بے چاروں نے تو اپنے ملک کے کسی کالج میں
بھی تعلیم نہیں پائی وہ کیونکر یہ مشکل مسئلہ حل کر سکیں گے؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے سفر یورپ
کا سامان شروع کیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے ایک دن پھر کہا آپ بریلی تو ہو آیئے اور
ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات تو کر لیجئے پھر آپ کو اختیار ہے یورپ جائیں یا امریکہ۔
یہ سن کر ڈاکٹر ضیاء الدین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تلخ لہجے میں کہا: مولانا آپ مجھے کیا رائے
دیتے ہیں؟ آخر عقل بھی کوئی چیز ہے۔ فضول میرا وقت برباد ہوگا۔ یہ مسئلہ مولانا احمد رضا
خاں کے بس کا نہیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے زور دے کر کہا کہ آخر اس میں حرج ہی کیا
ہے۔ بریلی کچھ زیادہ دور تو ہے نہیں چند گھنٹے کا سفر ہے۔

قصہ مختصر ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان کی معیت میں بریلی شریف پہنچے۔ اعلیٰ
حضرت کے دولت کدے پر گئے اندر اطلاع بھیجی۔ حضرت کی طبیعت ناساز تھی مگر مولانا
سلیمان اشرف کا نام سن کر فوراً بلوالیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی مزاج پرسی فرمائی اور پوچھا کیسے
تشریف آوری ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ریاضی کا ایک مسئلہ آپ سے دریافت کرنے آیا
ہوں وہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ فوراً بیان کر دیا جائے۔ ذرا اطمینان کی صورت ہو تو کہوں
حضرت نے فرمایا بیان کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی
فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ جواب سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کو حیرت سے سکتہ ہو گیا۔ ایسا
محسوس ہوا کہ جیسے آنکھ سے پردہ سا اٹھ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے میں سنا کرتا تھا علم لدنی بھی
کوئی شے ہے آج آنکھ سے دیکھ لیا میں تو اس مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جانا چاہتا تھا۔ کہ
مولانا سلیمان اشرف نے رہبری فرمائی اب آپ سے اس کا حل سن کر مجھے یوں محسوس ہوا
جیسے آپ اس مسئلے کو کتاب میں دیکھ رہے تھے۔ دیر تک اسی فن اور اس کے متعلقات میں
گفتگو ہوتی رہی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ منگوایا جس میں اکثر مثلثوں اور

دائروں کی شکلیں بنی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت استعجاب سے وہ رسالہ دیکھا اور
فرمایا میں نے یہ علم حاصل کرنے میں بہت صعوبت اٹھائی ملک ملک کا سفر کیا۔ بے انتہا
روپیہ صرف کیا یورپین استادوں کی جوتیاں سیدھی کیں۔ تب کچھ معلومات ہوئیں۔ مگر جو کچھ
علم آپ جانتے ہیں اس کے مقابلے میں میں اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا یہ تو
فرمایئے اس فن میں آپ کا استاد کون ہے۔؟ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا میرا کوئی استاذ نہیں
میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع تفریق ضرب تقسیم محض اس لئے
سیکھے تھے کہ ترکے کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی ہی تھی کہ
حضرت والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو مصطفیٰ پیارے ﷺ کی سرکار سے یہ
علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ ہیں۔ اپنے مکان کی چار دیواری
کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالت مآب ﷺ کا کرم ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین پر اعلیٰ حضرت کی علمی جلالت اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا اثر ہوا کہ
بریلی سے علی گڑھ آتے ہی انہوں نے داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوۃ کے بھی پابند ہو گئے۔

علم ہیئت فوقیت، نجوم اور جفر میں بھی اعلیٰ حضرت کو ایسی دستگاہ تھی کہ بیان سے
باہر مولانا غلام حسین صاحب حضرت کے معاصرین میں ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔
ہیئت اور نجوم کے ماہر۔ اکثر اعلیٰ حضرت کے ہاں تشریف لاتے اور بڑی دلچسپ گفتگو انہی
فنون پر ہوتی اور اپنے اپنے تجربات کی جانچ دونوں حضرات فرمایا کرتے۔ ایک دن مولانا
غلام حسین تشریف لائے اعلیٰ حضرت نے پوچھا فرمایئے بارش کا کیا انداز ہے۔ کب تک ہو
گی۔ مولانا نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا اور فرمایا اس مہینے میں پانی نہیں آئندہ ماہ میں
ہوگی یہ کہہ کر وہ زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھا دیا۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا اللہ کو سب
قدرت ہے۔ وہ چاہے تو آج ہی بارش ہو۔ مولانا نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ ستاروں کی

چال نہیں دیکھتے۔ حضرت نے فرمایا سب دیکھ رہا ہوں اور ساتھ ساتھ ان ستاروں کے بنانے والے اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ سامنے کلاک لگا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں فرمایا بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ جواب ملا پون گھنٹہ حضرت نے فرمایا اس سے قبل نہیں؟ کہا نہیں پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے۔ یہ سن کر اعلی حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھمادی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ یہ سن کر اعلی حضرت نے فرمایا آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے یہ اب کیسے بارہ بج گئے؟ مولانا نے کہا آپ نے کلاک کی سوئی گھمادی ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹے بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلی حضرت نے فرمایا اسی طرح اللہ رب العزت جل جلالہ قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچادے۔ وہ چاہے تو ایک مہینے ایک ہفتہ ایک دن کیا ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھا گئی اور پانی برسنے لگا، غرض اعلی حضرت کا اعتقاد اس قسم کے علوم پر ایسی ہی نوعیت کا تھا۔ ستاروں کے اثرات کے قائل مگر اصل فاعل حضرت عزۃ جل شانہ کو جانتے تھے۔

علم تکسیر اور علم جفر میں تو ایسا کمال حاصل تھا کہ بیرونی ممالک سے علماء یہ علوم سیکھنے آپ کے پاس آتے۔ اعلی حضرت نے یہ علم خود اپنے ذوق اور شوق سے سیکھا اور ہر سوال کا جواب بالکل صحیح صحیح برآمد کر لیتے ایک روز نواب وزیر احمد خاں صاحب سے فرمایا یہ ایک عجیب وغریب علم ہے۔ اس میں سوال کا جواب منظوم عربی زبان بحر طویل اور حرف لام کی ردیف میں آتا ہے اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا مقطع نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی۔ نہیں آتا میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی اس میں کچھ پڑھا جاتا ہے جس میں حضور اقدس ﷺ خواب میں تشریف لاتے ہیں اگر اجازت عطا ہوئی حکم مل گیا ورنہ نہیں۔ میں نے تین روز پڑھا تیسرے روز خواب دیکھا۔ ایک وسیع میدان اور اس میں بڑا

پختہ کنواں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں اور چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی حاضر ہیں جن میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے پہچان لیا اس کنویں میں سے حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پانی بھر رہے ہیں اس میں ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا اس پر سبز کپڑا پڑا ہوا تھا جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے اہ ذ کے حروف اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکالا کہ اس علم کا حاصل کرنا ہذیان فرمایا جاتا ہے۔ ان حروف سے یہ قاعدہ جفر اذن (اجازت) نکل سکتا ہے۔ ہ کو بطور صدقہ موخر آخر میں رکھا۔ اس کے عدد پانچ ہیں اب وہ اپنی پہلی جگہ سے ترقی کر کے دوسرے مرتبے میں آ گئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی ہے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے اور یوں اذن سمجھا جاتا ہے مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا اور لفظ کو ظاہر پر رکھ کر یہ فن چھوڑ دیا کہ اہذ کے معنی ہیں فضول بک۔

تاریخ گوئی کا فن بھی اعلی حضرت کے پاس اکتسابی نہیں وہبی تھا آپ نے کبھی ادنی سی توجہ بھی اس فن کے حصول کی جانب نہ فرمائی پھر بھی اس میں وہ ملکہ کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے اعلی حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرما دیا کرتے تھے جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضور کی تصانیف کثیرہ میں سے بہت کم ایسی ہوں گی جن کا نام تاریخی نہ ہو۔ بعض عربی اور اردو کے قصائد اور تاریخ ہائے وصال جو بہت طویل ہیں۔ ان کے ہر ہر مصرعے سے تاریخ برآمد ہوئی ہے۔ خوش نویسی اور خطاطی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نسخ نستعلیق، خط مستقیم اور خط شکستہ جیسے تمام اقسام وانواع کے رسم الخط میں آپ بے نظیر مہارت سے لکھتے تھے۔ بے شمار علوم میں آپ کی مہارت حد ایجاد تک پہنچ گئی تھی۔ مولوی رحمٰن علی صاحب ”تذکرہ علماء ہند“ آپ کی ایک کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اگر پیش ازیں کتابے دریں فن نیافتہ شود، پس مصنف، اموجد تصنیف ہذا می تواں

گفت (اگر اس فن میں اور کوئی کتاب نہ ہو تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جا سکتا ہے)

علم توقیت میں کمال کا یہ عالم کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے۔ وقت بالکل صحیح ہوتا اور کبھی ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔ ایک دفعہ آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ مسجد خرما میں حضرت محب الرسول مولانا عبدالقادر بدیوانی نے آپ کو نماز فجر پڑھانے کا ارشاد کیا۔ اعلیٰ حضرت نے قرات اتنی طویل کی کہ مولانا عبدالقادر کو شک ہوا شاید سورج نکل آیا نماز کے بعد لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ابھی سورج نکلنے میں تین منٹ ۴۸ سیکنڈ باقی ہیں۔

علم تکسیر (تعویذ) میں بھی غیر معمولی مشق و ادراک کے مالک تھے۔ تعویذ پُر کرنے کے بے شمار طریقوں سے واقف حیات اعلیٰ حضرت کے مؤلف مولانا ظفر الدین بہاری اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور شاگرد بھی تھے ان کے پاس ایک شاہ صاحب تشریف لائے اور بڑے فخر سے کہنے لگے میں نقش مربع سولہ طریقوں سے پر کر لیتا ہوں۔ آپ کتنے طریقے جانتے ہیں۔ مولانا ظفر الدین نے انکساری سے کہا مجھے تو نقش مربع پر کرنے کے گیارہ سو باون طریقے آتے ہیں شاہ صاحب کو یہ ناقابل یقین بات سن کر اس قدر تعجب ہوا کہ اعتبار نہ آیا۔ پوچھا یہ فن آپ نے کس سے حاصل کیا؟ مولانا نے جواب دیا اعلیٰ حضرت سے اور اعلیٰ حضرت ۲۳ سو طریقوں سے نقش مربع پر کرنا جانتے ہیں۔ آخر کار شاہ صاحب نے وہ کتاب دیکھی جس میں مولانا ظفر الدین نے نقش مربع گیارہ سو باون طریقوں سے پر کیا تھا تو یقین کئے بغیر چارہ نہ رہا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی سرمایہ یوں تو بے پناہ ہے لیکن آپ کا فقہی شاہکار فتاویٰ رضویہ[1]

۱۔ فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات ۳۰ جلدوں میں جامعہ نظامیہ شائع کر رہی ہے۔ اور اس کی ۲۷ جلدیں تا حال اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ (گلزار قادری)

ہے جس کی بارہ جلدیں ہیں ان میں سے پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں ہر جلد جہازی سائز کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تاریخ الفتاوی میں یہ مجموعہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مجموعے کے چند اوراق اعلیٰ حضرت نے مکہ معظمہ کے فاضل سید اسماعیل خلیل حافظ کتب الحرام کو ارسال فرمائے تھے موصوف نے اپنے مکتوب میں ان اوراق فتاوی پر جو تبصرہ فرمایا اس کا آخری جملہ دیکھئے۔

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان فتووں کو اگر ابوحنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔''

شاعر مشرق علامہ اقبال اعلیٰ حضرت کے معاصرین میں سے تھے آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ایک موقع پر علامہ اقبال نے فرمایا یہ روایت ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم کی ہے۔

''ہندوستان کے دور آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا ان کے فتاوی کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی اور ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں ان کے تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں اس لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاوی میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہؒ ہوتے۔

اقبال نے اعلیٰ حضرت کے ہاں جس ''شدت'' کا ذکر فرمایا ہے اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی سوزش تھی جسے حدت کہہ لیجئے یا شدت اور یہ شدت بھی صرف اعدائے خدا و رسول ﷺ کے لئے تھی ورنہ اعلیٰ حضرت تو

مومن اور ہر اہل محبت کے لئے سراپا لطف وکرم تھے۔ یابقول اقبال ع

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہووہ شبنم

❁❁❁❁❁❁❁

فاضل بریلوی نے سلوک وطریقت کی منزلیں حضرت شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طے فرمائیں اور آپ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ پیرومرشد نے آپ کو تمام سلاسل میں اجازت وخلافت کا شرف عطا فرمایا۔ بیعت کا واقعہ ۱۲۹۴ھ کا ہے یعنی ان دنوں جب اعلی حضرت کی عمر اکیس بائیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں بھی اس عالم رنگ وبو میں تشریف فرماتھے۔ اور وہی اپنے پاکباز اور ہونہار فرزند کو شاہ آل رسول کی خدمت میں لے گئے۔ شاہ صاحب کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی گویا فاضل بریلوی کو اپنے پیرومرشد سے تقریباً تین برس تک شرف ہدایت حاصل رہا۔ اعلی حضرت کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش میں ایک منقبت حضرت شاہ آل رسول کی شان میں موجود ہے اس کا مطلع ہے۔

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول

خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

شاہ صاحب بھی اعلی حضرت سے بہت محبت فرماتے اور انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا:

''بروزِ حشر اگر باری تعالی پوچھے گا کہ اے آل رسول دنیا سے میرے لئے کیالایا ہے؟ تو عرض کردوں گا کہ اے پروردگار میں تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔''

اعلی حضرت کو جن سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت حاصل تھی ان کی تعداد تیرہ ہے جن میں مشہور ومعروف سلسلے قادریہ، چشتیہ، نظامیہ، محبوبیہ، سہروردیہ، نقش بندیہ

صدیقیہ، نقش بندیہ علویہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت شاہ آل رسول کی بیعت سے ایک سال بعد یعنی ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کی معیت میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی ''الملفوظ'' کی جلد دوم میں اس سفرحج سے واپسی کے حالات خود حضرت کی زبانی سن کر مرتب نے درج فرمائے ہیں نہایت اثرانگیز ہیں۔ مولانا رحمٰن علی نے بھی اپنی تالیف تذکرہ علمائے ہند میں اس حج کے واقعات و حالات تفصیل سے درج کئے ہیں اسی سفر میں حرمین شریفین کے اکابر علماء وشیوخ سے آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ مثلاً مفتی شافعیہ سید احمد دجلان مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج وغیرہم۔ ان دونوں حضرات سے آپ نے حدیث، تفسیر، فقہ اور اُصول فقہ میں سندیں حاصل کیں۔

ایک روز اعلی حضرت حرم مبارک میں حاضر تھے اور مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح بغیر کسی سابقہ تعارف کے آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں۔ فرطِ محبت سے دیر تک آپ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہتے ہیں۔ اور جوش عقیدت میں ان کے منہ سے نکلتا ہے۔

انی لا جد نور الله من هذا الجبین

(بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں)

شیخ حسین بن صالح نے اعلی حضرت کو صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ضیاء الدین احمد رکھا۔ شیخ نے اپنی ایک کتاب ''الجوہرۃ المضیۃ'' کی شرح لکھنے کی فرمائش کی نوجوان فاضل بریلوی نے صرف دوروز میں اس مشکل کتاب کی شرح عربی زبان میں تحریر فرماکر ان کے حوالے کی اور بعد میں تعلیقات وحواشی کا اضافہ کرکے اس کتاب کا تاریخی نام بھی تجویز کیا۔ واپسی میں تین روز تک مسلسل سمندر میں طوفان رہا اور ایسا شدید کہ بقول اعلی حضرت لوگوں نے کفن پہن

لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث رسول ﷺ ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی اور حدیث کے وعدہ صادقہ پر مطمئن تھا۔ الحمدللہ! وہ مخالف ہوا جو تین دن سے چل رہی تھی۔ وہ گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی۔ وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی۔ بریلی پہنچ کر اور مکان میں پہلا قدم رکھتے ہی والدہ نے مجھ سے فرمایا۔ حج فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرما دیا۔ اب میری زندگی بھر دوبارہ حج کا ارادہ نہ کرنا۔ ان کا یہ فرمانا مجھے یاد رہا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حج نفل جائز نہیں۔ یوں خود دوبارہ حج ادا کرنے سے مجبور تھا۔''

۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی اور بڑے صاحبزادے جب حج کے سفر پر روانہ ہوئے تو آپ کی طبیعت سخت بے چین ہوئی۔ دل چاہتا تھا پر لگ جائیں اور اڑ کر حرم شریف پہنچیں۔ مگر والدہ کی اجازت ضروری تھی۔ فرماتے ہیں اجازت کا مسئلہ نہایت اہم اور اس کا یقین کہ والدہ اجازت نہ دیں گی کس طرح ان سے عرض کروں آخر کار زنانہ مکان میں گیا دیکھا حضرت والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔ اور فرمایا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور مجھے حج کی اجازت دے دیجئے۔ پہلا لفظ جو فرمایا یہ تھا خدا حافظ! میں الٹے پیر باہر آیا اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ حج سے جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا کہ والدہ نے فرمایا میں اجازت نہیں دیتی۔ اسے بلا لو مگر میں جا چکا تھا۔ کون بلاتا! چلتے وقت جس لگن میں میں نے وضو کیا تھا اس کا پانی والدہ نے میری واپسی تک پھینکنے نہ دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

والدین کے ادب، احترام اور اطاعت کی ایسی بہت سی مثالیں اعلیٰ حضرت کی حیات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جب آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا تو اعلیٰ حضرت اپنے حصے کی جائیداد کے خود مالک و مختار تھے، مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ مالکہ کی حیثیت سے جس طرح چاہتیں صرف فرماتیں۔ حضرت کو کتابوں وغیرہ کی خریداری کے لئے کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور جب وہ اجازت دیتیں تب کتابیں خریدتے۔

اعلیٰ حضرت کے اس دُوسرے حج کے واقعات نہایت عظیم الشان اور سبق آموز ہیں۔ اس موقع پر آپ نے ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اُس سفر کی ہے
جس پر نثار جاں فلاح و ظفر کی ہے

علمائے حجاز نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ حد درجہ مدارات سے پیش آئے۔ بہت سوں نے درخواست کی انہیں سند اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ہر درخواست منظور فرمائی۔ حضرت کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے اس سفر کے حالات تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ بعض علمائے مکہ نے ''علم غیب'' کے بارے میں چند سوال لکھ کر اعلیٰ حضرت کے پاس بھیجے اور صرف دو دن میں لکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی اور نہ حوالے کے لئے کوئی کتاب موجود تھی مگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام سوالوں کے جواب فصیح و بلیغ عربی میں صرف آٹھ گھنٹے کے اندر اندر قلمبند کروا دیئے۔ اور اس طرح چار سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی۔ آپ نے اس کتاب کا نام جو تجویز فرمایا وہ بھی ایسا ہی ہے اس سے نہ صرف موضوع کی صراحت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کتاب کہاں تصنیف کی گئی اور کس سنہ میں لکھی گئی۔ کتاب کا نام ہے۔

الدّولة المكّية بالمادة الغيبيّة

١٣٢٣ھ

مدینہ منورہ میں بھی بے حد اکرام واعزاز سے نوازے گئے۔اس کا آنکھوں دیکھا حال شیخ محمد عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنیئے۔

''میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ برصغیر کے ہزاروں صاحب علم آتے ہیں ان میں علماء صلحاء اتقیا سب ہوتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی انہیں مڑ کر بھی نہیں دیکھتا مگر فاضلِ بریلوی کی شان عجیب ہے یہاں کے علماء اور بزرگ سبھی ان کی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں اور ان کی تعظیم میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔''

مدینہ طیبہ میں بھی آپ سے اکثر علماء نے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی جس زمانہ میں کپورتھلہ کی مسجد کے خطیب تھے انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر اعلی حضرت کے اسی دوسرے سفرِ حج سے متعلق ایک ایمان افروز واقعہ نہایت موثر انداز میں بیان کیا تھا آپ بھی اس کی سماعت میں شریک ہوجائیے۔

''جب مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ دوسری مرتبہ زیارت نبوی ﷺ کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار ﷺ عزت افزائی فرمائیں گے۔ اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا آپ نے کچھ کبیدہ خاطر ہوکر ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

نعت کے مقطع میں عجب انداز سے اپنی محرومی اور نارسائی کا اشارہ کیا۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

''یہ نعت مواجہہ شریف میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوئے۔''

مدینے میں حضرت کا قیام طویل رہا اکتیس بار مسجد نبوی میں حاضری نصیب ہوئی۔ صبح سے عشاء تک علماء شیوخ اور طلباء کا ہجوم رہتا۔ کوئی حدیث پڑھنے آتا کوئی اجازت لینے اور کوئی بیعت کرنے حضرت کسی کو مایوس نہ کرتے۔ مولانا حکیم سید عبد الحئی لکھنوی صاحبِ نزہۃ الخواطر اپنی گرانقدر تالیف میں اعلی حضرت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آپ نے کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور علمائے حجاز سے بعض مسائل فقہیہ اور کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ بعض رسائل بھی قیام کے دوران میں لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کئے تو ان کے جوابات بھی تحریر کئے فقہ حدیث اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات سرعت تحریر اور ذہانت دیکھ کر سب کے سب حیران وششدر رہ گئے۔

اعلی حضرت کو عربی زبان پر ایسا عبور تھا کہ خود اہل عرب رشک کرتے آپ کے ایک خلیفہ مولانا شیخ ضیاء الدین مدنی جو بفضل خدا حیات ہیں[1] اور مدینہ منورہ میں قیام ہے ان کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلی

۱۔ حضرت کا وصال مبارک مورخہ ۱۲ اکتوبر بروز جمعہ ۱۹۸۱ء ذی الحج ۱۴۰۱ھ

حضرت کا ایک قصیدۂ عربیہ پڑھا جو سرکار رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں تھا سب
نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی نسل عالم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے میں نے
بتایا اس قصیدہ کے لکھنے والے مولانا احمد رضا بریلوی ہیں جو عربی نہیں عجمی ہیں۔ علمائے مصریہ
سن کر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔

اعلی حضرت جامع کمالات بزرگ تھے جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا اپنی
انفرادیت کا سکہ ثبت فرما دیا۔ ان کی اصل دولت حُب رسول ﷺ تھی۔ اس پاک جذبے
سے ان کی روح سرشار رہی۔ اعلی حضرت کی شاعرانہ حیثیت بھی اتنی ہی وقیع اور عظیم ہے
جتنی ان کی دوسری حیثیتیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ برصغیر میں جو اچھے اچھے نعت گو شعراء
گزرے ہیں ان سب کا ذکر کسی نہ کسی حیثیت سے ادب کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر اعلی
حضرت کی بہترین شعری تخلیقات کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ شاید اس لئے کہ ان کی شاعری
دوسرے علوم وفنون کے نیچے دب گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا نعتیہ کلام بڑے سے بڑے
شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں جذبہ دل کی بے ساختگی
خیال کی رعنائی الفاظ کی شان وشوکت اور عشق رسول ﷺ کی جھلکیاں قدم قدم پر موجود
ہیں۔ ان کی نعتوں میں کیف واثر کی ایک دنیا آباد ہے۔ اعلی حضرت کے سوانح نگار مولانا
بدرالدین احمد کا مشاہدہ یہ ہے کہ آپ عام ارباب سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی
تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے بلکہ پیارے مصطفی ﷺ کی یاد تڑپاتی اور درد عشق آپ کو
بیتاب کرتا تو از خود نعتیہ اشعار زبان پر جاری ہوتے اور پھر یہی اشعار آپ کی سوزش عشق کی
تسکین کا سامان بن جاتے چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ جب سرکار اقدس ﷺ کی یاد
تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر وسخن میرا مذاق نہیں۔

اعلی حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا نہایت خوشگو اور نفیس شاعر تھے۔

فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ ایک روز انہوں نے اعلی حضرت کی نعتیہ
غزل کا یہ مطلع داغ کو سنایا

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مطلع سن کر داغ جھومنے لگے، بار بار پڑھواتے اور وجد کرتے۔ بہت تعریف کی
اور فرمایا۔

''مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے''

یہ بہترین داد ہے جو استاد داغ کسی شاعر کو دے سکتے تھے۔ حضرت محدث
کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ لکھنو کے شعراء کی ایک محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدہ
معراجیہ اپنے خاص انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے اور بیک آواز کہا کہ اس قصیدے کی
زبان تو کوثر میں دھلی ہوئی ہے۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ سرآمد شعراء دہلی
نے کہا: سبحان اللہ مولانا احمد رضا کی شاعری کے کیا کہنے۔ آپ عمر بھر پڑھتے رہیے۔ ہم عمر
بھر سنتے رہیں گے۔

مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے لئے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے
دل قرآن کی طرف پھیر دئے۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں صاحب کا اعجاز شاعری یہ ہے
انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحب قرآن کی طرف پھیر دیئے ہیں نعتیہ شاعری کا کمال یہ
ہے کہ اس سے شاعر کے کمال فن کا نہیں کمال عشق کا سکہ دل پر بیٹھ جائے۔ شاعر شاگرد
ہوتے ہیں مگر عاشق شاگرد نہیں ہوا کرتے مولانا احمد رضا خاں فن شاعری میں کسی کے شاگرد
نہ تھے۔ وہ عاشق صادق تھے۔ فیضان محمدی ﷺ نے ان کو وہ کچھ دیا کہ بس سوچا کیجئے۔
نبی کریم ﷺ کے حضور بے شمار شعراء نے اپنی اپنی حسن نیت اور توفیق الٰہی کے

باعث سلام لکھ کر ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ مگر اعلی حضرت کے لکھے ہوئے ایک سلام کو ایسا قبول عام نصیب ہوا کہ ایک صدی گزر چکی برصغیر پاک و ہند کی فضائیں آج بھی اس سلام کی والہانہ آواز سے گونج رہی ہیں۔ ایک ایک شعر جذب و کیف اور عشق و سرمستی کا مرقع ہے۔

مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم ، تاجدار حرم
نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

حضرت اطہر باپوڑی اردو کے مشہور شاعر تھے۔ اور ان کا شمار نہایت جید اساتذہ غزل میں تھا ایک مرتبہ انہوں نے اعلی حضرت کی موجودگی میں نعت سنائی اور مطلع پڑھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلے کے سامنے

مطلع سن کر اعلی حضرت ناخوش ہوئے اور فرمایا اس کا دوسرا مصرع مقام نبوت کے لائق نہیں۔ اطہر صاحب محجوب ہو کر حضرت کا چہرہ دیکھنے لگے اعلی حضرت نے برجستہ فرمایا اسے یوں کر دیجئے۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

حضرت محسن کاکوروی کا قصیدہ معراجیہ بہت مشہور ہے جس کا آغاز یوں ہے

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

حضرت محسن یہ قصیدہ اعلی حضرت کو سنانے کے لئے بریلی تشریف لائے ظہر کے

بعد دو شعر سنے۔ پھر ارشاد فرمایا عصر کے بعد باقی قصیدہ سنا جائے گا۔ اعلی حضرت نے عصر سے پہلے اپنا طویل قصیدہ معراجیہ سنایا۔ محسن نے جب آپ کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

آپ چونکہ عربی فارسی بھاشا اور اردو سب زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے اس لئے ان زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے۔ ایک مرتبہ احباب کی فرمائش پر ایسی نعت کہی جس میں یہ چاروں زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ بعض قصائد نہایت عجیب اور مشکل صنعتوں میں بھی کہے۔ غرض کہ اعلی حضرت کا یہ رخ بھی نہایت حسین اور یادگار ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اعلی حضرت کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ اور اچھے تھے۔ پوری زندگی حب نبوی ﷺ اور اتباع شریعت میں گزری اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیتے نہ کچھ شکایت کرتے مگر خدا اور رسول ﷺ کا معاملہ ہوتا ہرگز رورعایت نہ کرتے پانچوں وقت کی نماز نہایت اہتمام سے ادا کرتے۔ طبیعت شدید ناساز ہوتی تب بھی مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت سے نماز ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفلی روزے رکھتے۔ ایک بار رمضان میں بیمار پڑے اور حالت نازک ہوگئی۔ طبیبوں نے ہر چند اصرار کیا کہ روزہ توڑ دیجئے مگر نہ مانے اور روزے کی برکت ہی سے صحت حاصل ہوگئی۔ رات کو سوتے وقت نام اقدس محمد ﷺ کی شکل میں لیٹتے۔ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے کسی چیز کے لینے اور دینے کے لئے دایاں ہاتھ بڑھاتے کبھی قہقہہ نہ لگاتے۔ تبسم فرماتے قبلے کی طرف منہ کر کے کبھی نہ تھوکتے۔ قبلے کی طرف پاؤں کبھی دراز نہ کرتے۔ آہستہ آہستہ چلتے۔ اکثر نگاہیں نیچی رکھتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند کرتے۔ اگر آپ کوئی حدیث بیان کر رہے ہوں یا قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہے ہوں درمیان میں کوئی قطع کلام کرے تو

سخت ناراض ہوتے۔ نہایت سخی اور سیر چشم تھے۔ جو دروازے پر آتا خالی نہ جاتا۔ غریبوں طالب علموں ناداروں یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مقرر تھے۔ بیرونی ضرورت مندوں کو منی آرڈر کے ذریعے رقمیں بھیجتے۔ روپیہ جمع کر کے نہ رکھتے فوراً تقسیم فرما دیتے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا میں نے کبھی ایک پیسہ زکوۃ کا نہیں دیا کیونکہ میرے پاس کبھی اتنی رقم جمع ہی نہیں ہوئی کہ سال گزر جانے کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہو۔

اعلی حضرت کو بیت اللہ اور حرمین شریفین سے جو عشق تھا اس کا تذکرہ سوز و گداز سے پر ہے۔ دوسرے حج کے موقع پر جب کہ آپ مکہ معظمہ میں تھے شدید بخار میں مبتلا ہوئے۔ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا۔ اور کہا آب زم زم میں ملا کر پی لو۔ اعلی حضرت یہ سن کر خوش ہوئے فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے دوا وہ بتائی ہے جو مجھے بالطبع محبوب اور مرغوب تھی۔ یعنی زمزم شریف۔ میری عادت ہے کہ باسی پانی نہیں پیتا اگر پیوں تو فوراً زکام ہو جاتا ہے۔ مگر زم زم کی برکت دیکھئے کہ صحت میں مرض میں دن میں رات میں تازہ باسی کثرت سے پیا۔ بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلتی کلی کرتا اور زمزم پیتا۔ وضو سے پہلے پیتا وضو کے بعد پیتا پونے تین مہینے مکہ معظمہ کے قیام میں میں نے حساب کیا تو تقریباً چار من آب زمزم میرے پینے میں آیا ہوگا۔

بالآخر محرم میں صحت ہوئی اللہ کے فضل سے۔ وہاں ایک سلطانی حمام ہے میں اس میں نہایا باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان برابر ہے۔ حرم شریف پہنچتے پہنچتے پانی برسنا شروع ہوا مجھے حدیث یاد آ گئی کہ جو مینہ برستے میں طواف کرے وہ رحمت الہی میں تیرتا ہے۔ فوراً حجر اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار پھر ہو گیا مولانا سید اسماعیل مکی نے فرمایا ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن کی بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا حدیث ضعیف ہے مگر امید بحمد اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ یہ طواف بہت مزے کا تھا۔

علماء اور طلباء کا حد درجہ احترام کرتے اور ان کے آنے پر بے حد مسرور نظر آتے مہمانوں کے ہاتھ خود دھلاتے اور عمدہ سے عمدہ کھانے انہیں کھلاتے مزاج میں عجب، غرور اور کبر بالکل نہ تھا۔ سادات کرام کے سامنے فرط تواضع اور انکسار سے بچھ بچھ جاتے۔ آپ کے ہاں ہر تقریب میں سادات کرام کو دوہرا حصہ دیا جاتا ایک دفعہ نو دس برس کی عمر کے ایک صاجزادے امور خانہ داری کے لئے ملازم رکھے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ سید ہیں۔ اعلی حضرت نے گھر والوں کو تاکید فرمائی خبردار صاجزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے اس لئے کہ وہ مخدوم زادے ہیں۔ جس چیز کی انہیں ضرورت ہو حاضر کی جائے اور جس تنخواہ کا وعدہ ہوا ہے وہ بطور نذر پیش ہوتی رہے۔ ایک دفعہ اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا قاضی وقت اگر سید کو حد لگائے تو یہ خیال نہ کرے میں سزا دے رہا ہوں بلکہ یہ تصور کرے کہ شاہزادے کے پاؤں میں کیچڑ بھر گئی ہے۔ وہ دھو رہا ہوں.......... مدینہ منورہ میں سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی اس فقیر سے خطاب میں یا سیدی فرماتے میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت سید تو آپ ہیں فرمایا واللہ! تم سید ہو میں نے عرض کی میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں مولی القوم منہم قوم کا غلام آزاد شدہ انہیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی عطا فرمائے۔ (آمین)

مزاج میں نہایت اعلی درجے کی لطافت اور مزاح تھا۔ کسی ہندو آریہ نے اپنے مذہب کے بارے میں ایک کتاب لکھی اور اس کتاب کا نام آریہ دھرم پرچار رکھا اور کتاب کا ایک نسخہ اعلی حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے وہ کتاب ملاحظہ فرمائی جگہ جگہ حاشیے پر اس کا رد لکھا اور جہاں کتاب کا نام لکھا تھا وہاں سیاہ روشنائی لے کر جلی قلم سے لفظ پرچار کے بعد ''حرف'' لکھ دیا۔ اب اس کتاب کا نام یوں ہو گیا ''آریہ دھرم پر چار حرف''

اعلیٰ حضرت کو مسلمانوں کی سیاسی سماجی اور دینی فلاح و بہبود کا خیال ہمیشہ رہتا ان کی زندگی کے آخری دور میں مسلمانانِ ہند ہندوؤں کی سیاست کی زد میں آگئے تھے۔ بڑے بڑے نامور مسلمان بھی اس رو میں بہہ گئے۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا دوسرے ہی سال تحریک ترک موالات شروع ہوئی امام احمد رضا خاں صاحب نے اختلاف کیا۔ اور ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں دلائل سے ثابت کیا کہ کفار و مشرکین سے اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد ناجائز ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس کے نتائج نہایت خطرناک نکلیں گے۔ گویا دو قومی نظرے کے بانیوں میں سے اعلیٰ حضرت بھی ہیں۔ ان کے معتقدین نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور اس کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے دوسری تنظیم قائم ہوئی۔ ان جماعتوں نے ہندو مسلم اتحاد و اختلاط کے خلاف کام کیا۔ اس کے ایک اہم رکن اور بانی مولانا نعیم الدین مرادآبادی تھے جنہوں نے اعلیٰ حضرت سے دستار خلافت حاصل کرنے کا شرف پایا۔ اعلیٰ حضرت کے مریدوں خلفاء اور ان کے عقیدہ و خیال کے علماء نے جو اہل سنت کہلاتے ہیں تحریک پاکستان کے لئے خاصا کام کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء یوم جمعۃ المبارک دوپہر دو بج کر ۳۸ منٹ پر بریلی میں وصال فرمایا۔ چند ماہ قبل اعلیٰ حضرت نے قرآن مجید کی اس آیت سے اپنا سنہ وفات برآمد فرمایا تھا۔ " ویطاف علیهم بانیه من فضة واکواب "اس آیت کے حروف سے ابجد کے مطابق ۱۳۴۰ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ مولانا حسنین رضا خاں نے اعلیٰ حضرت کے الوداعی سفر کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، ان کا بیان ہے۔

اعلیٰ حضرت نے وصیت نامہ تحریر کرایا پھر اس پر خود عمل کرایا اس روز تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ہوتے رہے۔ دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے کہ وقت پوچھا عرض کیا گیا اس وقت ایک بج کر ۵۶ منٹ ہو رہے ہیں فرمایا گھڑی رکھ دو یکا یک ارشاد ہوا تصویر ہٹا دو۔

حاضرین کے دل میں خیال گزرا کہ یہاں تصاویر کا کیا کام ہے۔ یہ خطرہ گزرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا یہی کارڈ لفافہ روپیہ پیسہ۔ پھر ذرا وقفے سے اپنے بھائی مولانا محمد رضا خاں صاحب سے خطاب فرمایا وضو کر آؤ قرآن عظیم لاؤ۔ ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ اپنے چھوٹے بیٹے مولانا مصطفیٰ رضا خاں سے ارشاد فرمایا اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورہ یٰسین اور سورہ رعد شریف تلاوت کرو۔

اب آپ کی عمر کے چند منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ حسب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقت زبان سے زیر و زبر میں فرق ہوا۔ خود تلاوت فرما کر بتا دی۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے تمام و کمال بلکہ معمول سے زائد پڑھیں پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا۔ جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا۔ ادھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرہ مبارک پر ایک نور کی کرن چمکی جس میں جنبش تھی اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسم اطہر حضور سے پرواز کر گئی۔ انا لله وانا الیه راجعون : خود اسی زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا "جنہیں ایک جھلک دکھا دیتے ہیں۔ وہ شوق دیدار میں ایسے جاتے ہیں کہ جانا معلوم بھی نہیں ہوتا۔"

مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی استاذ دارالعلوم اشرفیہ اعظم گڑھ درگاہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان سید آل رسول کے عم محترم کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جسے یہاں درج کرنا مناسب ہوگا۔ موصوف کا ارشاد ہے۔

ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے ان کی آمد کی خبر پا کر ان سے ملاقات کی۔ بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا استغنا اور مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے ان بزرگوں کی بھی خدمت کرنا چاہتے

تھے۔ نذرانہ پیش کرتے مگر وہ قبول نہ فرماتے اور کہتے بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں مجھے ضرورت نہیں ان کے اس استغناء اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ عرض کیا حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا مقصد تو بڑا ازریں تھا۔ لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا فداک ابی وامی! کس کا انتظار ہے؟

— ارشاد فرمایا احمد رضا کا۔

میں نے عرض کیا احمد رضا کون ہے؟

فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی۔ معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ ہندوستان آیا۔ بریلی پہنچا پتہ چلا ان کا انتقال ہوگیا اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لئے کیا مگر افسوس ملاقات نہ ہوسکی۔

شہر بریلی محلہ سوداگران میں دارالعلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک پر شکوہ عمارت میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

Hazrat Allama Maulana Mufti

Mohammed
Akhtar Raza Khan Qadri Azhari

President: All India Sunni Jamiatul Ulema
Head Mufti: Central Darul Ifta - Bareilly.

82, Raza Nagar, Saudagran, Bareilly Sharif
U.P. 243003, (INDIA) - Tel: 0581- 2472166, 2458543

۸۲ سوداگران ، بریلی شریف ، یو۔ پی۔ (انڈیا)

Ref. No ________ حوالہ　　　　Date ________ تاریخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رضوی فاؤنڈیشن کا قیام

مسلک حق اہل سنت و جماعت کی وساطت سے دین کی ترویج و اشاعت اور عوام اہل سنت کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہنا ہر سنی مسلمان کے لئے اشد ضروری ہے۔ لہٰذا ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے جو کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی تعلیمات کی روشنی میں مذکورہ منشور پر عمل پیرا ہوں۔ اس سلسلے میں لاہور (پاکستان) سے میرے محب، عزیزم غلام اویس قرنی قادری رضوی سلمہٗ اور ان کے رفقاء نے ''رضوی فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک تنظیم کے قیام کی خواہش کی ہے۔

لہٰذا آج مورخہ ۲۶ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ / ۷ را پریل ۲۰۰۵ء بروز جمعرات عرس اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مبارک موقع پر میں ''رضوی فاؤنڈیشن'' کے قیام کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور کی ترویج و اشاعت کا کام بھی اسی ''رضوی فاؤنڈیشن'' کے زیر انتظام کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ کریم ''رضوی فاؤنڈیشن'' کے کارکنان اور وابستگان کو مقاصد حسنہ میں کامیابی و ترقی عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے فروغ اور اس پر ہمیشہ کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ خدمت دین لے۔ آمین بجاہ نبی الرؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم

(دستخط)

(فقیر محمد اختر رضا خاں قادری ازہری غفرلہٗ)

(مہر)